

سانحہ کربلا اور

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

حافظ صلاح الدین یوسف مشیر وفاقی شرعی عدالت

سانحہ شہادت حسینؑ اور واقعات کربلا کے موضوع پر آج سے کئی صدیاں قبل شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۶۶۱-۷۲۸ھ) نے جو کچھ لکھا تھا وہ حق و اعتماد کا ایک بہترین نمونہ، دلائل و براہین کا تادر مرقع اور خدا داد فہم صحیح کا شاہکار ہے۔ انہوں نے اپنی تالیفات میں متعدد مقامات پر اس کو موضوع بحث بنایا ہے۔ بالخصوص ”منہاج السنۃ“ میں اس پر بڑی عمدہ بحث فرمائی، جس کی ضروری تلخیص مولانا عبدالرزاق طبع آبادی مرحوم نے اردو میں کر کے شائع کر دی تھی۔ اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہم ذیل میں امام موصوف کی وہ ترجمہ شدہ تحریر بھی قدرے ترمیم کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ آیات و احادیث کے عربی الفاظ کا اصل کتاب سے مراجعت کر کے ہم نے اضافہ کر دیا ہے۔ (مرتب)

تمہید

علماء اسلام میں کوئی ایک بھی یزید بن معاویہ کو ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کی طرح خلفائے راشدین میں سے نہیں سمجھتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ: (خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم یوتی اللہ الملک من یشاء) (احمد، ترمذی) ترجمہ: ”خلافت تیس برس تک منہاج نبوت پر رہے گی۔ پھر سلطنت ہو جائے گی۔ (یہ لفظ ابوداؤد کے ہیں)

علماء اہلسنت اس حدیث کے مطابق یزید اور اس جیسے آدمی اور عباسی خلفاء کو محض فرمانروا بادشاہ اور اسی معنی میں خلیفہ خیال کرتے ہیں۔ ان کا یہ خیال درست ہے۔ یہ ایک محسوس واقعہ ہے جس سے انکار غیر ممکن ہے۔ کیونکہ یزید اپنے زمانہ میں عملاً ایک بادشاہ، ایک حکمران، ایک صاحب سیف اور خود مختار فرمانروا تھا۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا اور شام، مصر، عراق، خراسان وغیرہ اسلامی ممالک میں اس کا

حکم نافذ ہوا۔ حضرت حسینؑ قبل اس کے کہ کسی ملک پر بھی حاکم ہوں۔ یوم عاشورہ ۶۰ھ میں شہید ہو گئے اور یہی یزید کی سلطنت کا پہلا سال ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

بلاشبہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید سے اختلاف کیا اور باشندگان مکہ و حجاز نے ان کا ساتھ دیا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ عبداللہ نے خلافت کا دعویٰ یزید کی زندگی میں نہیں کیا بلکہ اس کے مرنے کے بعد کیا یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ کہ شروع شروع میں اختلاف کرنے کے باوجود عبداللہ بن زبیرؓ یزید کے جیتے جی ہی اس کی بیعت پر رضا مند ہو گئے تھے۔ مگر چونکہ اس نے یہ شرط لگا دی تھی کہ قید ہو کر ان کے حضور میں حاضر ہوں اس لئے بیعت رہ گئی اور باہم جنگ برپا ہوئی۔ پس اگرچہ یزید تمام بلاد اسلامیہ کا حکمران نہیں ہوا اور عبداللہ بن زبیرؓ کا ماتحت علاقہ اس کی اطاعت سے برگشتہ رہا تاہم اس سے اس کی بادشاہت اور خلافت میں شبہ نہیں رہ سکتا کیونکہ خلفائے ثلاثہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور پھر معاویہ ابن ابی سفیانؓ، عبدالملک بن مروان اور اس کی اولاد کے سوا کوئی بھی اموی یا عباسی خلیفہ بلاد اسلامیہ کا تنہا فرمانروا نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تمام دنیاۓ اسلام کی حکومت نہ تھی۔

بادشاہوں پر خلیفہ کا اطلاق؟

پس اگر اہل سنت ان بادشاہوں میں کسی کو خلیفہ یا امام کہتے ہیں تو اس سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں خود مختار تھا، طاقتور تھا، صاحب سیف تھا عزل و نصب کرتا تھا، اپنے احکام کے اجراء کی قوت رکھتا تھا۔ حدود شرعی قائم کرتا تھا، کفار پر جہاد کرتا تھا، یزید کو بھی امام و خلیفہ کہنے سے یہی مطلب ہے اور یہ ایک ایسی واقعی بات ہے کہ اس کا انکار غیر ممکن ہے۔ یزید کے صاحب اختیار بادشاہ ہونے سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس واقعہ سے انکار کر دے کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، حکمران نہیں تھے یا یہ کہ قیصر و کسریٰ نے کبھی حکومت نہیں کی۔

یہ خلفاء معصوم نہ تھے

رہا یہ مسئلہ کہ یزید، عبدالملک، منصور وغیرہ خلفاء نیک تھے یا بد؟ صالح تھے یا فاجر؟ تو علماء اہل سنت نہ انہیں معصوم سمجھتے ہیں نہ ان کے تمام احکام و اعمال کو عدل و انصاف قرار دیتے ہیں اور نہ ہر بات میں ان کی اطاعت واجب تصور کرتے ہیں۔ البتہ اہل سنت و الجماعت کا یہ خیال ضرور ہے کہ عبادت کی

اطاعت کے بہت سے کام ایسے ہیں جن میں ہمیں ان کی ضرورت ہے۔ مثلاً یہ کہ ان کے پیچھے جمعہ وعیدین کی نمازیں قائم کی جاتی ہیں۔ ان کے ساتھ کفار پر جہاد کیا جاتا ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور حدود شرعیہ کے قیام میں ان سے مدد ملتی ہے۔ نیز اسی نوع کے دوسرے معاملات میں اگر حکام نہ ہوں تو ان اعمال کا ضائع ہو جانا اغلب ہے بلکہ ان میں سے بعض کا موجود ہونا ہی غیر ممکن ہے۔

نصب امام کے چند اصول

اہل سنت کے اس طریقہ پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اعمال صالحہ انجام دینے میں اگر نیکوں کے ساتھ برے اعمال بھی شامل ہوں تو اس سے نیکوں کے عمل کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچتا۔ بلاشبہ یہ بالکل درست ہے کہ اگر عادل صالح امام کا نصب ممکن ہو تو فاجر و مبتدع شخص کو امام بنانا جائز نہیں۔ اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو بلکہ امامت کے دونوں مدعی فاجر، مبتدع ہوں تو ظاہر ہے کہ حدود شرعیہ و عبادات دینیہ کے قیام کیلئے دونوں میں سے زیادہ اہلیت و قابلیت والے کو منتخب کیا جائے گا۔ ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی ایسا شخص موجود ہو جو صالح ہو مگر سپہ سالاری کے فرائض و واجبات ادا کرنے کا اہل نہ ہو۔ اس کے خلاف ایک فاجر شخص ہو جو بہترین طریق پر فوجوں کی قیادت کر سکتا ہو تو جس حد تک جنگی مقاصد کا تعلق ہے۔ یقیناً اسی آخر الذکر یعنی فاجر کو سربراہ بنانا پڑے گا۔ نیکی کے کاموں میں اس کی اطاعت و امداد کی جائے گی۔ بدی اور برائی میں اس پر اعتراض و انکار کیا جائے گا۔

حفظ مصالح اور دفع مقاصد

غرض امت کی مصلحتوں کا لحاظ ہے۔ اگر کسی فعل میں بھلائی اور برائی دونوں موجود ہوں تو دیکھا جائے گا کس کا پلہ بھاری ہے۔ اگر بھلائی زیادہ نظر آئے تو اس فعل کو پسند کیا جائے گا اگر برائی غالب دکھائی دے تو اس کے ترک کو ترجیح دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس لئے مبعوث فرمایا تھا کہ مصالح کی تائید و تحمیل فرمائیں اور مفاسد مٹائیں یا کم کریں۔ یزید، عبدالملک اور منصور جیسے خلفاء کی اطاعت اسی لئے کی گئی کہ ان کی مخالفت میں امت کیلئے نقصان نفع سے زیادہ تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان خلفاء پر جن لوگوں نے خروج کیا ان سے امت کو سراسر نقصان پہنچا۔ نفع ذرا بھی نہیں ہوا۔ بلاشبہ ان خروج کرنے والوں میں بڑے بڑے اختیار و فضلاء بھی شامل تھے مگر ان کی نیکی و خوبی سے ان کا یہ فعل لازماً مفید نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے اپنے خروج سے نہ دین کو فائدہ پہنچایا اور نہ ہی دنیوی نفع حاصل کیا اور معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے فعل کا حکم

نہیں دیتا جس میں نہ دنیا کا بھلا ہونہ دین کا۔ جن لوگوں نے خروج کیا ان سے کہیں زیادہ افضل حضرت علیؑ، طلحہؓ، زبیرؓ، عائشہؓ وغیرہم صحابہ تھے مگر انہوں نے اپنی خوئریزی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

عہد فتن میں خروج کی ممانعت

یہی وجہ ہے کہ حسن بصریؒ، حجاج بن یوسف ثقفی کے خلاف بغاوت سے روکتے تھے اور کہتے تھے ”حجاج اللہ کا عذاب ہے اسے اپنے ہاتھوں کے زور سے دور کرنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ اللہ کے سامنے تضرع و زاری کرو کیونکہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَا هُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا رَبَّهُمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ﴾ (المؤمنون: ۷۶) ترجمہ: ”یعنی ہم نے ان کی عذاب کے ذریعے گرفت کی انہوں نے پھر بھی اپنے رب کے سامنے نہ عاجزی کا اظہار کیا اور نہ اس کے حضور گڑگڑائے۔“

اسی طرح اور اخیر وابرار بھی خلفاء پر خروج اور عہد فتنہ جنگ سے منع کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، سعید بن المسیبؓ، حضرت زین العابدین علی بن حسینؓ وغیرہم۔ اکابر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم جنگ حرہ کے زمانے میں یزید کے خلاف بغاوت کرنے سے روکتے تھے۔ احادیث صحیحہ بھی اسی مسلک کی مؤید ہیں۔ اس لئے اہل سنت کے نزدیک یہ تقریباً متفق علیہ مسئلہ ہے کہ عہد فتن میں قتال و جدال سے اجتناب اور جو آئمہ پر صبر کیا جائے۔ وہ یہ مسئلہ اپنے عقائد میں بھی ذکر کرتے رہے ہیں اور جو شخص متعلقہ احادیث اور اہل سنت کے صاحب بصیرت علماء کے طرز عمل و فکر میں تامل کرے گا اس پر اس مسلک کی صحت و صداقت بالکل واضح ہو جائے گی۔

حضرت حسینؑ کا عزم عراق

اس لئے جب حضرت حسینؑ نے عراق جانے کا ارادہ کیا تو اکابر اہل علم و تقویٰ مثلاً عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارثؓ نے ان سے بہ منت کہا کہ وہاں نہ جائیں کیونکہ وہ سمجھتے تھے آپؑ ضرور شہید ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ روانگی کے وقت بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ: (استودعک اللہ من قتیل) ترجمہ: ”اے شہید ہم تمہیں اللہ کو سونپتے ہیں۔“

اور بعضوں نے کہا: (لولا الشناعة لا مسکتک و منعک من الخروج) ترجمہ: ”اگر بے ادبی نہ ہوتی تو ہم آپ کو زبردستی پکڑ لیتے اور ہرگز نہ دیتے۔“

اس مشورہ سے ان لوگوں کے مد نظر صرف آپ کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی مصلحت تھی مگر حضرت

حسینؑ اپنے ارادے پر قائم رہے۔ آدمی کی رائے بھی درست ہوتی ہے اور کبھی غلط ہو جاتی ہے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت حسینؑ کو عراق جانے سے روکنے والوں ہی کی رائے درست تھی کیونکہ آپ کے جانے سے ہرگز کوئی دینی یا دنیاوی مصلحت حاصل نہ ہوئی بلکہ یہ مضرت پیدا ہوئی کہ سرکشوں اور ظالموں کو پیغمبر ﷺ کے جگر گوشے پر قابول کیا اور وہ مظلوم شہید کر دیئے گئے۔ آپ کے جانے اور پھر قتل سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے وہ ہرگز واقع نہ ہوتے۔ اگر آپ اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے کیونکہ جس خیر و صلاح کے قیام اور شر و فساد کے دفعیہ کیلئے آپ اٹھے تھے اس میں سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ برعکس اس کے شر کو غلبہ اور عروج حاصل ہو گیا۔ خیر و صلاح میں کمی آگئی اور ایک دائمی فتنہ کا دروازہ کھل گیا۔ جس طرح حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت سے فتنے پھیلے اسی طرح حضرت حسینؑ کی شہادت نے بھی فتنوں کے سیلاب بہا دیئے۔

حضرت حسینؑ کا مقام بلند

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ کا آئمہ و خلف کے ظلم پر صبر کرنے اور ان سے جنگ و بغاوت نہ کرنے کا حکم مناسب اور امت کے دین و دنیا کیلئے زیادہ بہتر تھا اور جنہوں نے بالقصد یا بلا قصد اس کی مخالفت کی۔ ان کے فعل سے امت کو فائدہ کی بجائے نقصان ہی پہنچا۔ یہی سبب ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حسنؑ کی تعریف میں فرمایا تھا: (ان ابنی هذا سيد وسيصلح الله به بين فئتين عظيمتين من المسلمين) (البخاری، مشکوٰۃ) ترجمہ: ”میرا یہ فرزند سردار ہے عنقریب اللہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔“

لیکن اس بات پر کسی شخص کی بھی تعریف نہیں کی کہ وہ فتنہ میں پڑے گا یا خلفاء پر خروج کرے گا یا اطاعت سے برگشتہ یا جماعت سے منحرف ہوگا۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دو گروہوں میں صلح کرانا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نظر میں مستحسن اور محبوب ہے اور حضرت حسنؑ کا خلافت سے دستبردار ہو کر مسلمانوں کی خواری کا خاتمہ کر دینا ان کے فضائل میں ایک عظیم ترین فضیلت ہے کیونکہ اگر خانہ جنگی واجب، مستحب ہو تو آنحضرت ﷺ اس کے ترک پر ہرگز تعریف نہ فرماتے۔

یہاں یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ نبی کریم ﷺ، حضرت حسنؑ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو ایک ساتھ گود میں لے کر فرمایا کرتے تھے ”اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی محبت کر۔“ چنانچہ جس طرح آپؐ اپنی محبت میں دونوں کو یکساں شریک کرتے تھے اسی طرح بعد میں یہ دونوں خانہ

جنگیوں سے یکساں طور پر نفرت کرتے تھے۔ حضرت اسامہؓ تو جنگ صفین کے دن اپنے گھر بیٹھ رہے تھے اور حضرت حسنؓ ہمیشہ اپنے پدر و برادر (حضرت علیؓ اور حسینؓ) کو جنگ سے باز رہنے کا مشورہ دیتے تھے۔ پھر جب خود باختیار ہوئے تو جنگ سے دستبردار ہو گئے اور لڑنیوالوں میں صلح قائم کر دی خود حضرت علیؓ پر بھی آخر میں یہ حقیقت روشن ہو گئی تھی کہ جنگ کے جاری رہنے سے زیادہ اس کے ختم ہو جانے میں مصلحت ہے۔ پھر حضرت حسینؓ بھی کر بلا پہنچ کر جنگ سے میزار اور سرے سے دعوی امارت و خلافت سے ہی دستبردار ہو گئے تھے اور کہتے تھے مجھے وطن لوٹ جانے دو۔“

اطاعت فی المعروف

اب یہ بات صاف ہو گئی کہ یزید کا معاملہ کوئی خاص جدا گانہ معاملہ نہیں بلکہ دوسرے مسلمان بادشاہوں کا سا معاملہ ہے۔ یعنی جس کسی نے اطاعت الہی مثلاً نماز، حج، جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اقامت حدود شرعیہ میں ان کی موافقت کی، اسے اپنی اس نیکی اور اللہ و رسول ﷺ کی فرمانبرداری پر ثواب ملے گا۔ چنانچہ اس زمانہ کے صالح مومنین مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کا یہی طریقہ تھا۔ لیکن جس نے ان بادشاہوں کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم میں مددگار ہوا، وہ گناہگار ہوا اور زبرد تو بیخ اور مذمت و سزا کا سزاوار، یہی باعث ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یزید وغیرہ امراء کی ماتحتی میں جہاد کو جاتے تھے۔ چنانچہ جب یزید نے اپنے باپ معاویہؓ کی زندگی میں قسطنطنیہ کا غزوہ کیا تو اس کی فوج میں حضرت ابویوب انصاریؓ جیسے جلیل القدر صحابی شریک ہوئے تھے۔ (یہ غزوہ ۵۱ھ میں ہوا جس میں حضرت حسینؓ یزید کی ماتحتی میں شریک تھے۔ (البدایہ ۱۵۱/۸) ظاہر ہے اس اثناء میں نمازیں بھی یزید کے پیچھے پڑھتے رہے، یہ مسلمانوں کی سب سے پہلی فوج ہے جس نے قسطنطنیہ کا غزوہ کیا اور صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: (اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لہم) ترجمہ: ”جو فوج سب سے پہلے قسطنطنیہ کا غزوہ کرے گی وہ مغفور یعنی بخشائی ہے۔“

یزید کے بارے میں افراط و تفریط

اس تفصیل کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ یزید کے بارے میں لوگوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے ایک گروہ تو اسے خلفائے راشدین اور انبیاء مقررین میں سے سمجھتا ہے اور یہ سراسر غلط ہے۔ دوسرا گروہ اسے باطن میں کافر و منافق بتاتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ اس نے قصد حضرت حسینؓ کو شہید کیا اور مدینہ میں قتل عام کرایا

تاکہ اپنے ان رشتہ داروں کے خون کا بدلہ لے جو بدرو خندق وغیرہ کی جنگوں میں بنی ہاشم اور انصار کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے اور یہ کہ حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد اس نے یہ شعر پڑھے تھے۔

لمابدت تلک الحمول واشرفت تلک الرؤس علی ابی جیرون نعق الغراب
فقلت نح اولاتنح فلقد قضیت من النبی دیو نی لیت اشیاخی ببدر شہدوا جزع الخزر ج من
وقع الاسل قد قتلنا القرون من ساداتہم وعدلنا ببدر فاعتدل۔ ترجمہ: ”جب وہ سواریاں اور سر
جیرون کی بلند یوں پر نمودار ہوئے۔ تو کو اچلایا اس پر میں نے کہا، تو نوحہ کر یا نہ کر، میں نے تو نبی سے
اپنا قرض پورا پورا وصول کر لیا۔ (یا یہ کہ اس نے کہا) کاش میرے بدر وائے بزرگ، نیزوں کی مار سے
خزر ج و انصار کی دہشت دیکھتے۔ ہم نے ان کے سرداروں میں چوٹی کے سردار قتل کر ڈالے اور اس طرح بدر
کا بدلہ اتار دیا۔ یہ تمام اقوال سراسر بہتان اور جھوٹ ہیں۔“

حقیقت حال

حقیقت یہ ہے کہ یزید مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اور دنیا دار خلفاء میں سے ایک خلیفہ
تھا۔ رہے حسینؑ تو بلاشبہ وہ اسی طرح مظلوم شہید ہوئے جس طرح اور بہت سے صالحین ظلم و قہر کے ہاتھوں جام
شہادت پی چکے تھے۔ لاریب حسینؑ کی شہادت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی معصیت اور نافرمانی ہے اس
سے وہ تمام لوگ آلودہ ہیں جنہوں نے آپ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا قتل میں مدد کی یا قتل کو پسند کیا۔

شہادت کا رتبہ بلند

شہادت حسینؑ اگر چہ امت کیلئے بہت بڑی مصیبت ہے لیکن خود حضرت حسینؑ کے حق میں ہرگز
مصیبت نہیں بلکہ شہادت، عزت اور علو منزلت ہے۔ یہ سعادت بغیر مصائب و محن میں پڑے حاصل نہیں ہو سکتی۔
چونکہ نبیؐ کے دونوں نواسے (حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ) گہوارہ اسلام میں پیدا ہوئے۔ امن و امان کی گود
میں پلے اور ہولناک مصائب سے دور رہے۔ جن کے طوفانوں میں ان کے اہل بیت مردانہ وار تیرتے پھرتے
تھے۔ اس لئے شہداء خوش بختی کے اعلیٰ درجات و منازل تک پہنچنے کیلئے انہیں کٹھن مرحلے سے گزرنا ضروری تھا۔
چنانچہ دونوں گزر گئے ایک کو زہر دیا گیا اور دوسرے کے گلے پر چھری پھیری گئی۔

بڑی بڑی اہم شہادتیں

لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت حسینؑ کا قتل کسی حال میں بھی ان انبیاء کے قتل سے زیادہ گناہ اور

مصیبت نہیں جنہیں بنی اسرائیل قتل کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؑ اور حضرت عثمانؓ کا قتل بھی ان کے قتل سے زیادہ گناہ اور امت کیلئے زیادہ بڑی مصیبت تھا۔

صبر نہ کہ جزع فزع

یہ حوادث کتنے ہی دردناک ہوں بہر حال ان پر صبر کرنا اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا چاہئے کیونکہ اس سے رب خوش ہوتا ہے۔ فرمایا: ﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا انا للہ وانا الیہ راجعون﴾ ترجمہ: ”ان صبر گزاروں کو خوشخبری دے دیجئے جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو ان کی زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون جاری ہو جاتا ہے۔“

حضرت فاطمہ بنت حسینؑ کی حدیث

مسند امام احمد اسنن ابن ماجہ میں خود حضرت حسینؑ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؑ کی حدیث ہے کہ میرے باپ نے نبی ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ: (ما من مسلم یصاب بمصیبة فی ذکر مصیبة و ان قدمت فیحدث لها استرجاعا الا اعطاه اللہ من الاجر مثل اجرہ یوم اصیب بها) ترجمہ: ”جو مسلمان بھی اپنی مصیبت کو (اگرچہ وہ کتنی ہی پرانی ہو گئی ہو) یاد کر کے صبر کرتا ہے۔ اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اتنا ہی ثواب دیتا ہے جتنا خود مصیبت نازل ہونے کے وقت دے چکا ہے۔“

حضرت فاطمہؑ نے میدان کربلا میں اپنے پدر بزرگوار کا بیت ناک قتل دیکھا تھا۔ اس لئے ان کی یہ حدیث خاص طور پر قابل حجت اور ہر مسلمان کیلئے دعوت صبر و عزیمت ہے۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ حضرت حسینؑ کی ناقابل فراموش مصیبت پر ہمیشہ صبر سے کام لے اور وہی کرے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہے۔ یہ نہیں چاہئے کہ فرط غم سے سینہ پیٹے یا گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے بین شروع کر دے۔ یہ باتیں حرام ہیں۔ اللہ کو ناپسند ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ ان کے مرتکب سے براءت کا اعلان کر چکے ہیں۔ ماتم اور بین کرنے والے ہم میں سے نہیں۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ: (لیس منا من لطم الخدود و شق الجيوب و دعا بدعوی الجاہلیة) ترجمہ: ”جس نے منہ پیٹا، گریبان چاک کیا اور جاہلیت کے بین کئے وہ ہم میں سے نہیں۔“

نیز آپ ﷺ نے صالحہ، حائقہ اور شاقہ سے اپنے تئیں بری بنایا ہے: (انا بری من الصالقة و الحالقة و الشاقہ) ترجمہ: ”صالحہ بین کرنے والی عورتیں، حائقہ غم سے بال منڈا ڈالنے والی اور شاقہ

شہادت حسینؑ کے بارے میں افراط و تفریط

ان کے مقابلے میں دوسرا گروہ کہتا ہے۔ حضرت حسینؑ امام برحق تھے ان کی اطاعت واجب تھی ان کے بغیر ایمان کا کوئی تقاضا بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ جماعت اور جمعہ اسی کے پیچھے درست ہے جسے انہوں نے مقرر کیا اور جہاد نہیں ہو سکتا جب تک ان کی طرف سے اجازت موجود نہ ہو۔

مقابلہ کا ارادہ ترک کر دیا

اس افراط و تفریط سے بہت کراہل سنت و الجماعت نہ پہلے گروہ کے بھنواہیں اور نہ دوسرے گروہ کے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت حسینؑ مظلوم شہید کئے گئے۔ ان کے ہاتھ امت کی سپاسی باگ ڈور نہیں آئی۔

علاوہ برآں مذکورہ بالا احادیث ان پر چسپاں نہیں ہوتیں کیونکہ جب انہیں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کا انجام معلوم ہوا تو وہ اپنے اس ارادہ سے دستبردار ہو گئے تھے (یعنی راستہ ہی سے واپس مکہ جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن مسلم کے بھائیوں کے اصرار کا ساتھ دینا پڑا، جیسا کہ شیعہ سنی سب تاریخوں میں ہے۔ ص، ی)

اور فرماتے ہیں (یعنی مثل مقصود پر پہنچ کر جب ابن زیاد کی فوج کے سربراہ عمر بن سعد سے گفتگو مصالحت کے سلسلہ میں حضرت حسینؑ نے متن میں مذکورہ تین باتیں فرمائیں۔ مجھے وطن جانے دو یا کسی سرحد پر مسلمانوں کی فوج سے جا ملنے دو یا خود یزید کے پاس پہنچے دو۔ (اس تیسری بات کے بارے میں تاریخ طبری (۵/۳۱۳، طبع جدید) میں یہ الفاظ ہیں: یعنی میں براہ راست یزید کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا) بیعت کر لوں گا) پھر وہ جیسا کہ مناسب سمجھے کر لے گا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی ایک جگہ یہ الفاظ ذکر کئے ہیں۔ و: طلب ان یردوہ الی یزید ابن عموہ حتی یضع یدہ فی یدہ او یرجع من حیث جاء او یلحق بعض الثغور (راس الحسین ص ۲۰) مطلب وہی ہے جو متن میں ہے

شہادت حسینؑ کا نتیجہ صحابہؓ سے بدگمانی اور

بدعات محرم کا ظہور

شہادت حسینؑ کی وجہ سے شیطان کو بدعتوں اور ضلالتوں کے پھیلانے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ کچھ لوگ یوم عاشورہ میں نوحہ و ماتم کرتے ہیں۔ منہ پیٹتے ہیں، روتے، چلاتے ہیں بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔ مرچے پڑھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ سلف و صحابہؓ کو گالیاں دیتے ہیں۔ لعنت کرتے ہیں اور ان بے گناہ لوگوں کو لپیٹ لیتے ہیں۔ جنہیں واقعات شہادت سے دور و نزدیک کا کوئی تعلق نہ تھا بلکہ:

السابقون الأولون من المهاجرین والانصار کو بھی گالیاں دیتے ہیں پھر واقعہ شہادت کی جو کتابیں پڑھتے ہیں وہ زیادہ تر اکاذیب و باطل کا مجموعہ ہیں اور ان کی تصنیف و اشاعت سے ان کے مصنفوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ فتنہ کے نئے نئے دروازے کھلیں اور امت میں پھوٹ بڑھتی جائے۔ یہ چیز باتفاق جملہ اہل اسلام نہ واجب ہے نہ مستحب بلکہ اس طرح رونا، پیٹنا اور پرانی مصیبتوں پر گریہ زاری کرنا اعظم ترین محرمات دیدیہ میں سے ہے۔ پھر ان کے مقابلے دوسرا فتنہ ہے جو یوم عاشورہ میں مسرت اور خوشی کی بدعت کرتا ہے۔ کوفہ میں یہ دونوں گردہ موجود تھے۔ شیعوں کا سردار مختار بن عبید تھا اور ناصبیوں کا سرکردہ حجاج بن یوسف الثقفی تھا۔

جن لوگوں نے واقعات شہادت قلم بند کئے ہیں ان میں اکثر نے بہت کچھ جھوٹ ملا دیا ہے۔ جس طرح شہادت عثمانؓ بیان کرنے والوں نے کیا اور جیسے مغازی و فتوحات کے راویوں کا حال ہے حتیٰ کہ واقعات شہادت کے مؤرخین میں سے بعض اہل علم مثلاً مغوی اور ابن ابی الدنیا وغیرہ بھی بے بنیاد روایتوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ رہے وہ مصنف جو بلا اسناد واقعات روایت کرتے ہیں تو ان کے ہاں جھوٹ بہت زیادہ ہے۔

دندان مبارک پر چھڑیمارنے کا واقعہ

صحیح طور پر صرف اس قدر ثابت ہے کہ جب حضرت حسینؓ شہید کئے گئے تو آپ کا سر مبارک عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لایا گیا۔ اس نے آپ کے دانتوں پر چھڑی ماری اور آپ کے حسن کی مذمت کی۔ مجلس میں حضرت انسؓ اور ابو بزرہ اسلمیؓ دو صحابی موجود تھے۔ انسؓ نے اس کی تردید کی اور کہا: آپ رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے، صرف حضرت انسؓ ہی نہیں بلکہ اور صحابہؓ کو بھی آپ کی شہادت سے از حد ملال تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک عراقی نے پوچھا کہ حالت احرام میں کبھی کا مارنا جائز ہے انہوں نے خفا ہو کر جواب دیا: اے اہل عراق! تمہیں کبھی کی جان کا اتنا خیال ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے کو قتل کر چکے ہو۔ بعض روایتوں میں دانتوں پر چھڑی مارنے کا واقعہ یزید کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو بالکل غلط ہے کیونکہ جو صحابی اس واقعہ میں موجود تھے وہ دمشق میں نہیں تھے عراق میں تھے۔

یزید نے حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم نہیں دیا

متعدد مورخین نے جو نقل کیا ہے وہ یہی ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم نہیں دیا اور نہ یہ بات ہی اس کے پیش نظر تھی۔ بلکہ وہ تو اپنے باپ معاویہؓ کی وصیت کے مطابق ان کی تعظیم و تکریم کرنا چاہتا تھا۔ البتہ اس کی یہ خواہش تھی کہ آپ خلافت کے مدعی ہو کر اس پر خروج نہ کریں۔ حضرت حسینؓ جب کر بلا پہنچے آپ کو اہل کوفہ کی بے وفائی کا یقین ہو گیا تو ہر طرح کے مطالبے سے دست بردار ہو گئے تھے مگر مخالفوں نے نہ انہیں وطن واپس ہونے دیا نہ جہاد پر جانے دیا اور نہ یزید کے پاس بھیجنے پر رضامند ہوئے بلکہ قید کرنا چاہا جسے آپ نے نامنظر کیا اور شہید ہو گئے۔ یزید اور اس کے خاندان کو جب یہ خبر پہنچی تو بہت رنجیدہ ہوئے اور روئے بلکہ یزید نے یہاں تک کہا: لعن اللہ ابن مرجانہ (یعنی عبید اللہ بن زیاد) اما او اللہ لو کان بینہ وبين الحسين رحم لما قتله ترجمہ: ”اے ابن مرجانہ (عبید اللہ بن زیاد) پر خدا کی پھینکار!“

واللہ! اگر وہ خود حسینؑ کا رشتہ دار ہوتا تو ہرگز قتل نہ کرتا۔

اور کہا: قد كنت ارضى من طاعة اهل العراق بدون قتل الحسين ترجمہ: ”بغیر قتل حسینؑ کے بھی میں اہل عراق کی اطاعت منظور کر سکتا تھا۔ پھر اس نے حضرت حسینؑ کے پسماندگان کی بڑی خاطر تواضع کی اور عزت کے ساتھ انہیں مدینہ واپس پہنچا دیا۔

یزید نے اہل بیت کی بے حرمتی نہیں کی

بلاشبہ یہ بھی درست ہے کہ یزید نے حضرت حسینؑ کی طرف داری بھی نہیں کی، نہ ان کے قاتلوں کو قتل کی انہ ان سے انتقام لیا، لیکن یہ کہنا بالکل سفید جھوٹ ہے کہ اس نے اہل بیت کی خواتین کو کنیز بنایا، ملک ملک پھرایا اور بغیر کجاوہ کے انہیں اونٹ پر سوار کرایا۔ الحمد للہ مسلمانوں نے آج تک کسی ہاشمی عورت سے یہ سلوک نہیں کیا اور نہ اسے امت محمدیہ نے کسی حال میں جائز رکھا ہے۔

حضرت حسینؑ کو شہید کرنے کا گناہ عظیم

یہ بالکل درست ہے جیسا کہ اد پر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت حسینؑ کی شہادت عظیم ترین گناہوں میں سے ایک گناہ تھی۔ جنہوں نے یہ فعل کیا۔ جنہوں نے اس میں مدد کی جو اس سے خوش ہوئے وہ سب کے سب اس عتاب الہی کے سزاوار ہیں جو ایسے لوگوں کیلئے شریعت میں وارد ہے لیکن حسینؑ کا قتل ان لوگوں کے قتل سے بڑھ کر نہیں جو ان سے افضل تھے۔ مثلاً انبیاء مؤمنین اولین شہداء یمامہ، شہداء احد، شہداء بمر معونہ، حضرت عثمانؓ یا خود حضرت علیؓ بلکہ حضرت علیؓ کے قاتل تو آپ کو کافر و مرتد سمجھتے اور یقین کرتے تھے کہ آپ کا قتل عظیم ترین عبادت ہے۔ (معاذ اللہ) برخلاف حسینؑ کے کہ ان کے قاتل انہیں ایسا نہیں سمجھتے تھے۔ ان میں اکثر تو آپ کے قتل کو ناپسند کرتے اور ایک بڑا گناہ تصور کرتے تھے۔ لیکن اپنی اغراض کی خاطر اس فعل شنیع کے مرتکب ہوئے جیسا کہ لوگ سلطنت کیلئے باہمی خونریزی کرتے ہیں۔

یزید پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ

رہا سوال یزید پر لعنت کرنے کا تو واقعہ یہ ہے کہ یزید بھی بہت سے دوسرے بادشاہوں اور خلفاء جیسا ہی ہے بلکہ کئی حکمرانوں سے وہ اچھا تھا۔ وہ عراق کے امیر ”مختار بن ابی عبید اللہ“ سے کہیں اچھا تھا۔ جس نے حضرت حسینؑ کی حمایت کا علم بلند کیا۔ ان کے قاتلوں سے انتقام لیا مگر ساتھ ساتھ یہ دعویٰ کیا کہ جبریل اس کے پاس آتے ہیں۔ اسی طرح یزید جاج بن یوسف سے اچھا تھا جو بلا نزاع یزید سے کہیں زیادہ ظالم تھا۔

یزید اور اس جیسے دوسرے سلاطین و خلفاء کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ فاسق تھے۔

لعنت کے بارے میں مسئلہ شرعیہ

لیکن کسی فاسد کو معین کر کے لعنت کرنا سنت نبوی میں موجود نہیں البتہ عام لعنت وارد ہے۔ مثلاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (لعن الله السارق يسرق البيضة فتقطع يده) ترجمہ: ”چور پر اللہ کی لعنت ایک انڈے پر اپنا ہاتھ کٹوا دیتا ہے۔“ (لعن الله من احدث حدثا او آوى محدثا) ترجمہ: ”جو بدعت نکالے یا بدعتی کو پناہ دے اس پر اللہ کی لعنت۔“

یا مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ ایک شخص شراب پیتا تھا اور بار بار آنحضرت ﷺ کے پاس پکڑ کر لایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ کئی پھیرے ہو چکے تو ایک شخص نے کہا: لعنة الله ما اكثر ما يوتى به الى النبي ﷺ ترجمہ: ”اس پر اللہ کی لعنت کہ بار بار پکڑ کر دربار رسالت میں پیش کیا جاتا ہے۔“ آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا: (لا تلعنه فانه يحب الله ورسوله) ترجمہ: ”اسے لعنت نہ کرو کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔“

حالانکہ آپ نے عام شراہیوں پر لعنت بھیجی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عام طور پر کسی خاص گروہ پر لعنت بھیجنا جائز ہے مگر اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھنے والے کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں اور معلوم ہے کہ ہر مومن اللہ اور رسول ﷺ سے ضرور محبت رکھتا ہے۔

یزید پر لعنت سے پہلے دو چیزوں

کا اثبات ضروری ہے

صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ جس کے دل میں ذرا برابر بھی ایمان ہو گا وہ بالآخر دوزخ سے نجات پائے گا۔

بنابرین جو لوگ یزید کی لعنت پر زور دیتے ہیں انہیں دو باتیں ثابت کرنی چاہئیں۔ اول یہ کہ یزید ایسے فاسقوں اور ظالموں میں سے تھا جن پر لعنت کرنا مباح ہے اور اپنی اس حالت پر موت تک رہا۔ دوسرے یہ کہ ایسے ظالموں اور فاسقوں میں سے کسی ایک کو معین کر کے لعنت کرنا روا ہے۔ ربی آیت: ﴿لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾

تو یہ عام ہے جیسا کہ باقی تمام آیات و وعید عام ہیں اور پھر ان آیتوں سے کیا ثابت ہوتا ہے کہ یہ

گناہ لعنت اور عذاب کا مستوجب ہے؟ لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے اسباب آ کر لعنت و عذاب کے اسباب کو دور کر دیتے ہیں۔ مثلاً گناہگار نے سچے دل سے توبہ کر لی یا اس سے ایسی حسنت بن آئیں جو سینات کو مٹا دیتی ہیں یا ایسے مصائب پیش آئے جو گناہگاروں کا کفارہ کر دیتے ہیں۔ بنا بریں کون فحش دعویٰ کر سکتا ہے کہ یزید اور اس جیسے بادشاہوں نے توبہ نہیں کی یا سینات کو دور کرنے والی حسنت انجام نہیں دیں یا گناہوں کا کفارہ ادا نہیں کیا یا یہ کہ اللہ کسی حال میں بھی انہیں نہیں بخشے گا۔ حالانکہ وہ خود فرماتا ہے:

﴿ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذالك لمن يشاء﴾ (النساء)

پھر صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”سب سے پہلے قسطنطینیہ پر جو فوج لڑے گی وہ مغفور ہے۔ اور معلوم ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس فوج نے قسطنطینیہ پر لڑائی کی اس کا سپہ سالار یزید ہی تھا۔ کہا جاسکتا ہے کہ یزید نے یہ حدیث سن کر ہی فوج کشی کی ہوگی بہت ممکن ہے کہ یہ بھی صحیح ہو لیکن اس سے اس فعل پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی جاسکتی۔

لعنت کا دروازہ کھولنے کے نتائج

پھر ہم خوب جانتے ہیں کہ اکثر مسلمان کسی نہ کسی طرح کے ظلم سے ضرور آلودہ ہوتے ہیں۔ اگر لعنت کا دروازہ اس طرح کھول دیا جائے تو مسلمانوں کے اکثر مردے لعنت کا شکار ہو جائیں گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مردہ کے حق میں صلاۃ و دعا کا حکم دیا ہے نہ کہ لعنت کرنے کا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(لا تسبوا الاموات وانهم قد افضوا الی ما قدموا) ترجمہ: ”مردوں کو گالی مت دو کیونکہ وہ اپنے کئے کو پہنچ گئے۔ بلکہ جب لوگوں نے ابو جہل جیسے کافر کو گالیاں دینی شروع کیں تو انہیں منع کیا اور فرمایا:

(لا تسبوا امواتنا فتؤا احياءنا) ترجمہ: ”ہمارے مرے ہوؤں کو گالیاں مت دو کیونکہ اس سے ہمارے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

یہ اس لئے کہ قدرتی طور پر ان کے مسلمان رشتہ دار برامانتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے ان کے بیٹے صالح نے کہا: الاتلعن یزید؟ آپ یزید پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟ حضرت امامؒ نے جواب دیا:

متی رايت اباک بلعن احدا۔ تو نے اپنے باپ کو کسی پر بھی لعنت کرتے دیکھا تھا۔

آیت: ﴿فهل عسيتم ان توليتم ان تفسد وافي الارض وتقطعوا ارحامكم اولئك الذين لعنهم الله فاصمهم واعمى ابصارهم﴾ (سورۃ محمد) ترجمہ: ”کیا تم سے بعید ہے کہ اگر جہاد

سے پیٹھ پھیر لو تو لوگ ملک میں فساد کرنے اور اپنے رشتے توڑنے لگیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان کو بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔

اس آیت سے خاص یزید کی لعنت پر اصرار کرنا خلاف انصاف ہے کیونکہ یہ آیت عام ہے اور اس کی وعید ان لوگوں کو شامل کرتی ہے جو ایسے افعال کے مرتکب ہوں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ یہ افعال صرف یزید ہی نے نہیں کئے بلکہ بہت سے ہاشمی، عباسی، علوی بھی ان کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اگر اس آیت کی رو سے ان سب پر لعنت کرنا ضروری ہو تو اکثر مسلمانوں پر لعنت ضروری ہو جائے گی کیونکہ یہ افعال بہت عام ہیں مگر یہ فتویٰ کوئی نہیں دے سکتا۔

قاتلین حسینؑ کے متعلق روایات

ربیع وہ روایت جو بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسینؑ کا قاتل آگ کے تابوت میں ہوگا۔ اس اکیلے پر آدمی دوزخ کا عذاب ہوگا۔ اس کے ہاتھ پاؤں آتش زنجیروں سے جکڑے ہوں گے، وہ دوزخ میں الٹا اتارا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کی تہہ تک پہنچ جائے گا اور اس میں اتنی سخت بدبو ہوگی کہ دوزخی تک اللہ سے پناہ مانگیں گے وہ ہمیشہ دوزخ میں پڑا جلتا رہے گا۔

تو یہ روایت بالکل جھوٹی ہے اور ان لوگوں کی بنائی ہوئی ہے جو رسول ﷺ پر تہمت باندھنے سے نہیں شرماتے۔ کہاں آدمی دوزخ کا عذاب اور کہاں ایک حقیر آدمی؟ فرعون اور دوسرے کفار و منافقین، قاتلین انبیاء اور قاتلین مومنین اولین کا عذاب، قاتلین حسین سے کہیں زیادہ سخت ہوگا بلکہ عثمانؓ کے قاتلوں کا گناہ بھی حسینؑ کے قاتلوں سے زیادہ ہے۔

اہل سنت کا مسلک معتدل ہے

حسینؑ کی طرفداری میں اس غلو کا جواب ناصبیوں کا غلو ہے جو حضرت حسینؑ کو اس حدیث کا مصداق قرار دے کر: (من اتاکم وامرکم علی رجل واحد یزید ان یفرق جماعتکم فاضربوا عنقه بالسیف کائننا من کان) (مسلم)

باغی اور واجب القتل قرار دیتے ہیں لیکن اہل سنت والجماعت نہ اس کا ساتھ دیتے ہیں نہ اس غلو کا۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت حسینؑ مظلوم شہید ہوئے اور ان کے قاتل ظالم و سرکش تھے اور ان احادیث کا اطلاق ان پر صحیح نہیں جن میں تفریق بین المسلمین کرنے والے کے قتل کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ کربلا میں آپ

کا قصد امت میں پھوٹ ڈالنا نہ تھا۔ بلکہ آپ جماعت ہی میں رہنا چاہتے تھے مگر ظالموں نے آپ کا کوئی مطالبہ نہ مانا نہ آپ کو وطن واپس ہونے دیا نہ سرحد پر جانے دیا، نہ خود یزید کے پاس پہنچنے دیا بلکہ قید کرنے پر اصرار کیا۔ ایک معمولی مسلمان بھی اس برتاؤ کا مستحق نہیں ہو سکتا کجا کہ حضرت حسینؑ۔

اسی طرح یہ روایت بھی رسول اللہ ﷺ پر سفید جھوٹ ہے کہ: جس نے میرے اہل بیت کا خون بہایا اور میرے خاندان کو اذیت دے کر مجھے تکلیف پہنچائی، اس پر اللہ کا اور میرا غصہ سخت ہوگا۔ اس طرح کی بات رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے کہیں نہیں نکل سکتی تھی۔ کیونکہ رشتہ دار اور قرابت سے زیادہ ایمان اور تقویٰ کی حرمت ہے اگر اہل بیت میں سے کوئی ایسا شخص جرم کرے جس پر شرعاً اس کا قتل واجب ہو تو بالافتقار اسے قتل کر ڈالا جائے گا۔ اگر کوئی ہاشمی چوری کرے تو یقیناً اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر جان بوجھ کر کسی بے گناہ کو قتل کر ڈالے تو قصاص میں اس کی بھی گردن ماری جائے گی۔ اگرچہ مقتول حبشی، رومی، ترکی، دلیبی غرض کوئی ہو کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: (المسلمون تنکنا لفا دماؤہم) ترجمہ: ”تمام مسلمانوں کا خون یکساں حرمت رکھتا ہے۔“ پس ہاشمی وغیرہ ہاشمی کا خون برابر ہے۔

اسلامی مساوات

نیز فرمایا: (انما اہلک من کان قبلکم انہم کانوا اذا سرق فیہم الشریف ترکوہ واذا سرق فیہم الضعیف اقاموا علیہ الحد واللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرق لقطعت یدھا) ترجمہ: ”اگلی تو میں اس طرح ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو چھوڑ دیا جاتا تھا لیکن جب معمولی آدمی جرم کرتا تو اسے سزا دی جاتی تھی واللہ! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔“

اس میں آپ ﷺ نے تشریح کر دی ہے کہ اگر آپ ﷺ کا قریب سے قریب عزیز بھی جرم سے آلودہ ہوگا تو اسے شرعی سزا ضرور ملے گی۔

کسی خاندان کی خصوصیت ثابت نہیں

پھر یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ یہ کہہ کر اپنے خاندان کو خصوصیت دیں گے جو ان کا خون بہائے گا اس پر اللہ کا غصہ بھڑکے گا۔ کیونکہ یہ بات پہلے ہی مسلم ہے کہ ناحق قتل اللہ کی شریعت میں حرام ہے علاوہ اس سے کہ ہاشمی کا ہو یا غیر ہاشمی کا۔

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فُجْرَاءً ۖ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۖ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ

وَاعْدَلَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ (النساء)

پس قتل کی اباحت و حرمت میں ہاشمی و غیر ہاشمی سب مسلمان یکساں درجہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ کو تکلیف دینا حرام ہے۔ اب عام عام اس سے کہ آپ کے خاندان کو تکلیف دے کر ہو یا امت کو ستا کر، یا سنت توڑ کر۔ واضح ہو گیا کہ اس طرح کی بے بنیاد حدیثیں جاہلوں اور منافقوں کے سوا کوئی اور نہیں بیان کر سکتا۔ اسی طرح یہ کہنا کہ رسول ﷺ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے نیک سلوک کی مسلمانوں کو ہمیشہ وصیت کرتے اور فرماتے تھے۔ ”یہ تمہارے پاس میری امانت ہیں“ بالکل غلط ہے، بلاشبہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اہل بیت میں بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن نبی ﷺ نے کبھی نہیں فرمایا کہ حسینؓ تمہارے پاس میری امانت ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ اپنی اولاد مخلوق کو سونپیں۔

ایسا کہنے کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں

(۱) یہ کہ جس طرح مال امانت رکھا جاتا ہے اور اس کی حفاظت مقصود ہوتی ہے تو یہ صورت تو نہیں ہو سکتی کیونکہ مال کی طرح آدمی امانت رکھے نہیں جاسکتے یا یہ مطلب ہو گا کہ جس طرح بچوں کو مربیوں کے سپرد کیا جاتا ہے تو یہ صورت بھی یہاں درست نہیں ہو سکتی کیونکہ بچپن میں حسینؓ اپنے والدین کی گود میں تھے۔ اور جب بالغ ہوئے تو اور سب آدمیوں کی طرح خود مختار اور اپنے ذمہ دار ہو گئے۔ اگر یہ مطلب بیان کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ نے امت کو ان کی حفاظت و حراست کا حکم دیا تھا تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ امت کسی کو مصیبت سے بچا نہیں سکتی۔ وہ صرف اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر کہا جائے اس سے آپ کی غرض ان کی حمایت و نصرت تھی تو اس میں ان کی خصوصیت نہیں۔ ہر مسلمان کو دوسرے مظلوم مسلمان کی حمایت و نصرت کرنی چاہئے اور ظاہر ہے حسینؓ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔

(۲) اسی طرح یہ کہنا کہ آیت ﴿لَا اسئلكم عليه اجرا الا المودة فى القربى﴾ (میں تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا ہوں صرف رشتہ داری کی محبت چاہتا ہوں) حسینؓ کے بارے میں نازل ہوئی بالکل جھوٹ ہے کیونکہ یہ آیت سورۃ شوریٰ کی ہے اور سورۃ شوریٰ کی ہے اور حسینؓ کے متعلق حضرت فاطمہؓ کی شادی سے پہلے اتری ہے؟ آپ کا عقد ہجرت کے دوسرے سال مدینہ میں ہوا اور حسن و حسینؓ ہجرت کے تیسرے اور چوتھے سال پیدا ہوئے پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (منہاج السنۃ از صفحہ ۲۳۷ تا ۲۵۶، جلد ۲)